

میں کافی دیر ہے؟“

مسعود مسکرا کر خاموش ہو گیا۔

چیتو نے کہا۔ ”لے بھمبری، چاند مکھن، چاند ہیرا۔ چاند چڑھ گیا، چڑھ گیا، نہ چڑھا، نہ چڑھا۔ نشہ جو ہوا۔ اس پر سب ہنسنے لگے۔

جب مسعود جوتا اتار کر درری پر بیٹھ گیا تو رکنے نے پوچھا۔ ”پھر کچھ ہو جائے چھوٹی سی بازی؟“

”لے واہ، چھوٹی کیوں لالا۔“ کانے نے کہا۔ بازی ہو تو اگڑ بھم ہونے تو نہ سہی۔“

رکنا بولا۔ ”ہم تو اگڑ بھم ہی کھیلتے ہیں لیکن بابو ذرا نرم ہے۔ اس لیے لحاظ کرنا ہی پڑتا ہے۔“

لالو کانے کو یہ بات بہت بری لگی۔ اس نے کہا۔ شرع میں کیا شرم۔ بازی میں کیا لحاظ۔ بازی وہ جس میں چمڑس ہو جائے۔“

مسعود نے کوئی جواب دیے بغیر دوسو کے نوٹ نکال کر درری پر رکھ دیے اور چوڑی مار کر بیٹھ گیا۔ دیے کی لو اونچی کر دی گئی اور بازی

شروع ہو گئی۔ آخری پتادری پر پھینک کر مسعود نے رکنے کے آگے سے دو سبز نوٹ اٹھا کر اپنے نوٹوں پر رکھ لیے اور انھیں آگے دھکیل دیا۔

ریباں نے گردن پھیر کر کہا۔ ”تیرے صدقے، اگلوٹھی بنوادے۔“

ڈھلن نے ڈکار لے کر کہا۔ ”تیرے صدقے، کنواں لگوادے۔ الٹالٹک کر مالک سے ملوں گا۔“

رکنے کباڑیے نے صدری سے سوسو کے چار نوٹ نکال کر اپنے سامنے رکھ لیے اور جھلا کر لالا سے کہنے لگا۔ کانے بیٹھ پٹکھا تو کر،

گرمی سے جان نکل جا رہی ہے۔“

کانا بیٹھ پٹکھا کرنے لگا تو مسعود نے ہاتھ سے اشارہ کر کے آہستہ سے کہا۔ ”ذرا ہولے۔ دیا نہ بچھ جائے۔“

اور پھر بازی شروع ہو گئی۔

دیدي بستر پر بے معنی سی کروٹیں بدل رہی تھی اور اس کے قریب آرام کرسی میں درازامی چپ چاپ بیٹھی تھی۔ اس کے سامنے وہی

تپائی تھی جس پر مسعود چائے پی کر گیا تھا اور اب اس تپائی پر امی کا پرس اور کٹ کیٹ کا ایک پیکٹ پڑا تھا۔ دیدي جاگتے میں بڑبڑا رہی تھی اور

امی خاموشی سے اس کے ٹوٹے پھوٹے الفاظ سن رہی تھی۔

بازی ختم ہو گئی اور مسعود نے رکنے کے چار سوسمیٹ کر اپنے نوٹوں میں ملا لیے۔ کانے نے پھٹی پھٹی نگاہوں سے رکنے کو دیکھا اور

بولا۔ ”لالا!“

رکنے نے کہا۔ ”پھر کیا ہوا؟ ابھی تو بڑی مایا ہے۔ بابو کو جی بہلانے دے۔ اور اس نے دوسو کے نوٹ نکال کر آگے رکھ لیے۔

مسعود نے کہا۔ ”یوں نہیں۔ تخت یا تختہ۔“ اور پھر سارے نوٹ آگے دھکیل دیے۔

رکنے نے کہا۔ ”یوں تو یوں سہی“ اور چھ اور سبز نوٹ نکال کر اگلے نوٹوں پر ڈال دیے۔ تاش کے پتے پھر انگلیوں پر ناپنے لگے۔

امی نے چور آنکھ سے دروازے کی طرف دیکھا اور ہولے سے کہا۔ ابھی تک آیا نہیں، پتہ نہیں کیا وجہ ہے۔“ پھر اس نے کٹ کیٹ

کے پیکٹ کو انگلی سے دبا کر دیکھا جو گرمی کی وجہ سے ذرا الجھتا ہو گیا تھا۔ ٹھنڈے پانی کا ایک گلاس لاکرامی نے کٹ کیٹ کے پیکٹ پر چھڑکا اور پھر کرسی پر دراز ہو گئی۔ دیدی نے قہر آلود نگاہوں سے امی کو دیکھا اور پھر کروٹ بدل لی۔

آخری پتہ پھٹکنے سے پہلے مسعود نے رکنے کے نوٹ پھر اٹھا لیے اور پتہ چوم کر اس کی گود میں پھینک دیا۔ لالو کا نادم بخود پنکھا کیے جا رہا تھا۔ چیتو، ڈھلن اور بھمیری فرش پر سوئے ہوئے تھے اور ریاں دیوار کے ساتھ لگی اونگھ رہی تھی۔

رکنے نے لالو کی طرف دیکھا اور شرمندگی ٹالنے کے لیے دونوٹ نکال کر اپنے سامنے رکھ لیے۔ مسعود نے کہا۔ ”بس دوسو! کوئی اور جیب دیکھ لالا، شاید اس میں سبز پڑے ہوں۔“

لیکن رکنا کوئی اور جیب دیکھنے پر رضامند نہ ہوا۔ لا لوکا نا بولا۔ ”کل سہی بابو۔ بولتی بند ہو جائے گی۔ لے ایک دس روپے کی گرمس یا روں کی بھی رہی۔“ اور اس نے رکنے کے دوسو پر دس اور رکھ دیے۔۔۔۔۔ تا ش بانٹی جانے لگی۔

امی نے دیدی کے سرہانے تلے ہاتھ پھیر کر گھڑی نکالی اور اپنے آپ سے کہا۔ ”ایک بچ گیا!“

پھانک ذرا سا ہلا۔ امی تیز تیز قدم اٹھاتی ادھر گئی۔ اس نے لولٹ کھولنے سے پہلے چوڑی دراڑ میں سے باہر جھانک کر دیکھا۔ ایک خارش زدہ کتا پھانک کے ساتھ اپنی کمر گڑ رہا تھا۔ وہ اپنی جگہ پر آ کر پھر اسی طرح بیٹھ گئی۔

بازی ختم ہو گئی اور مسعود نے دوسروں پر اٹھا کر اپنے نوٹوں میں شامل کر لیے اور رکنے سے پوچھا۔ ”اور؟“ رکنے نے معنی خیز نگاہوں سے لالو کو دیکھا اور منہ پونچھ کر بولا۔ ”بس!“

نوٹوں کی گڈی بنا کر مسعود نے سامنے کی جیب میں ڈال لی۔ جو تا پہن کر کھڑا ہو گیا اور سوئے ہوئے بچپروں پر نگاہ ڈال کر بولا۔ ”اچھا استاد، پھر سہی پہلی تاریخ کو۔“

رکنے اور لالو نے کوئی جواب نہ دیا اور مسعود خاموشی سے چل دیا۔ پھونس سے گذر کر اس نے تازہ ہوا میں ایک لمبا سانس لیا اور اندھیرے کی گود میں مڑتی ہوئی بے جان گلی کو دور تک محسوس کیا۔ پھر وہ اپنے گریبان کے بٹن کھولتے ہوئے آہستہ آہستہ چلنے لگا اور سوچنے لگا کہ یہ تو کل اٹھارہ سو ہوئے اور گلریز نے دو ہزار مانگے ہیں۔ باقی دو سو کا بندوبست کیونکر ہوگا اور وہ ابھی ان باقی دو سو کے متعلق سوچ ہی رہا تھا کہ کسی نے اس کے گلے میں صافہ ڈال کر اسے زمین پر گرا دیا۔ گرتے ہی ایک تیز دھار چاقو کا لمبا پھل اس کے سینے سے گذر کر دل میں اتر گیا۔

ایک آواز نے کہا۔ ”کانے نیمٹریہ کیا کیا۔۔۔۔۔نوٹ نکال نوٹ۔“

کالے نیمٹر نے جیب میں ہاتھ ڈال کر نوٹ نکالنے کی کوشش کی مگر چاقو کا پھل نوٹوں کو پڑتا ہوا پسلیوں میں پیوست ہو چکا تھا۔ اس نے زور لگاتے ہوئے کہا۔ ”لا لا نکلتے نہیں۔“ اور جب لا لا نوٹ نکالنے کو جھکا تو گلی کے دہانے ہر سپاہی نے سیٹیاں بجانے لگے اور وہ دونوں مسعود کو بو نہی چھوڑ کر بھاگ گئے۔

مسعود نے زور لگا کر چاقو باہر نکالا اور اسے پرے پھینک۔ پھر اس نے خون آلودہ نوٹوں کی گڈی جیب سے نکالی اور اٹھنے کی کوشش

کی مگر وہ اُٹھ نہ سکا۔ پیٹ کے بل لیٹ کر اس نے نوٹ دائیں ہاتھ میں پکڑ لیے اور اپنا ہاتھ آگے پھیلا دیا۔ کہنی کو زمین پر دبایا کر اس نے آگے گھسینا چاہا لیکن جونہی کہنی اس کے پہلو سے آکر لگی اس کا ماتھا زمین سے ٹکرایا اور اس کی جیب سے ایک کروشیا نکل کر باہر گر پڑا۔ مٹی میں پکڑے ہوئے نوٹوں کو دیکھنے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے اس نے کہا۔ ”امی۔۔۔۔۔ می۔۔۔۔۔ میں۔۔۔۔۔ امی۔۔۔“ لہو کی آخری بوند زمین پر گری اور اس کی مٹی ڈھیلی ہو گئی۔

امی نے ٹھنڈے پانی میں انگلی ڈبو کر ایک قطرہ کٹ کیٹ پر ٹپکاتے ہو اپنے آپ سے کہا۔ ”ابھی تک آیا نہیں!“